سید ابوالاعلیٰ مودودی

(عقائد و نظریات)

از قلم

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

0300-5482125

2

فہرست

مودودی صاحب اپنے عقائد ونظریات کے آئینہ میں

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب (متوفی: ۲۲ستمبر، ۱۹۷۹ء) عمومی طور پر اہل سنت میں سے نہیں تھے۔ بہت سارے معاملات ایسے ہیں، جن میں آپ نے اہل سنت کے عقائد ونظریات سے انحراف کیا، حتی کہ عقیدے کے باب میں ایسے بھٹکے کہ معتزلہ اور بسا اوقات جہمیہ کی صف میں نظر آتے ہیں۔ عقیدہ اسماء وصفات، عقیدہ توحید کی اساس اور بنیاد ہے۔ موصوف نے اس باب میں خطا کھائی ہے۔ انبیائے کرام کی جناب میں سوئے ادبی بھی مولانا کے حصے میں آئی، نیز صحابہ کرام پر کرم فرمائی تو سب کے سامنے ہی ہے، حدیث کی تصحیح وتضعیف کا منہج بھی محدثین والا نہیں ہے، بلکہ بہت حد تک عقل پرستی پر مبنی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اہل سنت کا اصل منہج سلف صالحین پر کامل اعتماد ہے، عقائد ہوں، نظریات ہوں، اعمال ہوں یا اصول، ہر معاملہ میں سلف کے قدم پر قدم رکھنے کا نام ہی منہج اہل سنت ہے۔ اسلام ہر زمانے میں موجود رہا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ اسلام بعض زمانوں میں موجود رہے، پھر دوسرے بعض زمانوں میں غائب ہوجائے، ہرگز نہیں، بلکہ وہ اپنی اصل صورت احوال کے ساتھ ہر زمانے کے لوگوں کے لئے مشعل راہ بنا رہا ہے اور سلف صالحین اس پر چلتے رہے ہیں، لیکن مولانا مودودی صاحب نے سلف کی راہوں کو ٹھکرا کر اپنی نئی راہیں ایجاد کیں اور جادۂ حق سے بھٹک گئے، ذیل میں آپ کے چند ایک نظریات کا جائزہ لیا جا رہا ہے، ملاحظہ ہوں۔

اسماوصفات میں ٹھوکریں

اسماوصفات کا باب مسلمانوں کے عقیدے کا اہم حصہ ہے، مولانا مودودی نے اس باب میں بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ذیل میں نو ایسے مقامات دیئے جا رہے ہیں، احباب ان کا مطالعہ کرلیں:

① مولانا مودودی صاحب ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں ''سخی'' کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں، تو اس پر ''داتا'' کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب ''گورے'' کو کافی نہیں پاتے، تو اس پر ''چٹے'' کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازیٔ قد کے ذکر میں جب ''لمبا'' کہنے سے تسلی نہیں ہوتی، تو اس کے بعد ''تڑنگا'' بھی کہتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن: 44/1)

مولانا ﴿الرَّحِيمِ﴾ کو ایک مہمل لفظ باور کروا رہے ہیں، جس کا کوئی معنی مفہوم ہی نہ ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیشتر مقامات پر اپنے دو اسماء کو جمع کیا ہے، ان میں سے ایک مقام یہ بھی ہے۔ ﴿اَلرَّحْمٰنِ﴾ فعلان کے وزن پر ہے، یہ وزن کسی چیز کی وسعت کو ظاہر کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ ﴿اَلرَّحْمٰنِ﴾ کا معنی جس کی رحمت بہت وسیع ہو۔ ﴿الرَّحِيمِ﴾ فعیل کے وزن پر ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انتہائی مہربان ہے، ہر ایک نام کی الگ الگ دلالت ہے، یہاں گورے چٹے والی کوئی بات نہیں۔

② ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ کا یوں ترجمہ کرتے ہیں:

''پھر تختِ حکومت پر جلوہ گر ہوا۔'' (تفہیم القرآن:262/2)

یہ ترجمہ قرآن وسنت اور اجماع کے خلاف ہے۔قرآن، حدیث، اجماع اور فطرت سے ثابت ہے کہ رحمٰن اپنے عرش پر بلند ہے۔کیا اللہ تعالیٰ کی پہلے عرش پر حکومت نہیں تھی؟

③ ''رہا یہ ارشاد کہ خدا کا عرش پہلے پانی پر تھا، تو اس کا مفہوم ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ خدا کی سلطنت پانی پر تھی۔'' (تفہیم القرآن:325/2)

یہ واضح تاویل اور تحریف ہے۔علمائے حق میں سے کوئی بھی یہ مراد بیان نہیں کرتا، قرآن وسنت کی وہی تعبیریں اور مفاہیم معتبر ہیں، جو صحابہ اور ائمہ سلف سے ثابت ہیں۔

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

إِجْمَاعُ السَّلَفِ مُنْعَقِدٌ عَلٰی أَنْ لَّا یَزِیدُوا عَلٰی قِرَاءَ ۃِ الْآیَۃِ، وَقَدْ شَذَّ قَوْمٌ فَقَالُوا: الْعَرْشُ بِمَعْنَی الْمِلْكِ، وَهٰذَا عُدُولٌ عَنِ الْحَقِیقَۃِ إِلَی التَّجَوُّزِ، مَعَ مُخَالَفَۃِ الْأَثَرِ، أَلَمْ یَسْمَعُوا قَوْلَهٗ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ﴾ أَتَرَاهُ کَانَ الْمُلْكُ عَلَی الْمَاءِ؟

''سلف صالحین کا اجماع ہے کہ آیت کی قرأت پر زیادتی نہ کی جائے، بعض لوگوں نے شذوذ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ عرش کا معنی بادشاہت ہے۔یہ حقیقت سے مجاز کی طرف عدول ہے، نیز حدیث کی بھی مخالفت ہے۔کیا انہوں نے فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ﴾ ''اس کا عرش پانی پر تھا۔'' نہیں سنا؟ کیا اللہ کی ملکیت (بادشاہت) پانی پر تھی؟''

(زاد المَسیر: 213/3)

④ ''خالق بذاتِ خود کسی مقام پر متمکن نہیں ہے۔''

(تفہیم القرآن:590/2)

جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ وہ عرش پر بلند ہے۔
کسی بچے سے پوچھا جائے کہ اللہ کہاں ہے؟ تو وہ اوپر کو اشارہ کرے گا یا زبان سے کہے گا: ''اوپر ہے۔''

⑤ ''اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی خاص مقام پر رہتا ہے، کیوں کہ اس کی ذات زمان و مکان کی قیود سے منزہ ہے۔''
(تفہیم القرآن:87/6)

⑥ ''اور ذات باری تعالیٰ کا جو تصور ہم کو قرآن مجید میں دیا گیا ہے، وہ بھی یہ خیال کرنے میں مانع ہے کہ وہ جسم اور جہت اور مقام سے منزہ ہستی کسی جگہ متمکن ہو اور کوئی مخلوق اسے اٹھائے۔'' (تفہیم القرآن:41/6)

اہل سنت صفات باری تعالیٰ کے بارے میں محتاط رہتے ہیں۔ وہ اس باب میں نصوص کو ان کے ظاہری معنی پر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق جو خبر دی ہے، اسے ثابت مانتے ہیں، جس کی نفی کی ہے، اس سے نفی کرتے ہیں۔ جس سے سلف نے سکوت اختیار کیا، ہم بھی اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

❁ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

حَقِيقَةُ الْأَمْرِ فِي الْمَعْنٰى أَنْ يُّنْظَرَ إِلَى الْمَقْصُودِ، فَمَنِ اعْتَقَدَ أَنَّ الْمَكَانَ لَا يَكُونُ إِلَّا مَا يَفْتَقِرُ إِلَيْهِ الْمُتَمَكِّنُ، سَوَاءً كَانَ مُحِيطًا بِهٖ أَوْ كَانَ تَحْتَهٗ فَمَعْلُومٌ أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَيْسَ فِي مَكَانٍ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ، وَمَنِ اعْتَقَدَ أَنَّ الْعَرْشَ هُوَ الْمَكَانُ، وَأَنَّ

اللّٰهَ فَوْقَهٗ، مَعَ غِنَاهُ عَنْهُ، فَلَا رَيْبَ أَنَّهٗ فِي مَكَانٍ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ، فَمِمَّا يَجِبُ نَفْيُهٗ بِلَا رَيْبٍ افْتِقَارُ اللّٰهِ إِلٰى مَا سِوَاهُ، فَإِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ غَنِيٌّ عَنْ مَّا سِوَاهُ، وَكُلُّ شَيْءٍ فَقِيرٌ إِلَيْهِ، فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُّوصَفَ بِصِفَةٍ تَتَضَمَّنُ افْتِقَارُهٗ إِلٰى مَا سِوَاهُ.

''حقیقت یہ ہے کہ مقصد کو دیکھا جائے گا۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ مکان اسے کہتے ہیں، جس کا رہنے والا محتاج ہوتا ہے، گو وہ مکان اسے گھیرے ہوئے ہو یا اس کے نیچے ہو، تو ظاہر ہے اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے کسی مکان میں نہیں ہے۔ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ عرش ایک مکان ہے اور اللہ اس کے اوپر بلند ہے، اس کا محتاج نہیں ہے، تو اس اعتبار سے بلا شبہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہے۔ لہٰذا جس چیز کی نفی کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اسے کسی ایسی صفت سے متصف کرنا جائز نہیں، جس سے اس کا محتاج ہونا لازم آئے۔'' (درء تَعارُض العقل والنّقل : 249/6)

نیز فرماتے ہیں:

لٰكِنَّ قِيَاسَ اللّٰهِ الْخَالِقِ لِكُلِّ شَيْءٍ الْغَنِيِّ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ الصَّمَدِ الَّذِي يَفْتَقِرُ إِلَيْهِ كُلُّ شَيْءٍ بِالْمَخْلُوقَاتِ الضَّعِيفَةِ الْمُحْتَاجَةِ عَدْلٌ لَّهَا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَمَنْ عَدَلَهَا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ فَإِنَّهٗ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ.

''لیکن اللہ تعالیٰ، جو سب کا خالق، سب سے غنی اور ایسا بے پرواہ ہے کہ ہر چیز اس کی محتاج ہے، اس کو محتاج اور کمزور مخلوقات پر قیاس کرنا مخلوق کو رب

العالمین کے برابر کرنے کے مترادف ہے اور جو مخلوق کو رب العالمین کے برابر کرے، وہ واضح گمراہی میں ہے۔" (بيان تلبيس الجهمية : 622/3)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

اِسْتِوَاؤُهٗ وَعُلُوُّهٗ عَلٰى عَرْشِهٖ سَلَامٌ مِنْ أَنْ يَّكُونَ مُحْتَاجًا إِلٰى مَا يَحْمِلُهٗ أَوْ يَسْتَوِي عَلَيْهِ بَلِ الْعَرْشُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ وَحَمَلَتُهٗ مُحْتَاجُونَ إِلَيْهِ فَهُوَ الْغَنِيُّ عَنِ الْعَرْشِ وَعَنْ حَمَلَتِهٖ وَعَنْ كُلِّ مَا سِوَاهُ فَهُوَ اسْتِوَاءٌ وَّعُلُوٌّ لَّا يَشُوبُهٗ حَصْرٌ وَّلَا حَاجَةَ إِلٰى عَرْشٍ وَّلَا غَيْرِهٖ وَلَا إِحَاطَةَ شَيْءٍ بِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى بَلْ كَانَ سُبْحَانَهٗ وَلَا عَرْشَ وَلَمْ يَكُنْ بِهٖ حَاجَةٌ إِلَيْهِ وَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ بَلِ اسْتِوَاؤُهٗ عَلٰى عَرْشِهٖ وَاسْتِيلَاؤُهٗ عَلٰى خَلْقِهٖ مِنْ مُوجِبَاتِ مِلْكِهٖ وَقَهْرِهٖ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلٰى عَرْضٍ وَّلَا غَيْرِهٖ بِوَجْهٍ مَّا وَنُزُولُهٗ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا سَلَامٌ مِّمَّا يُضَادُّ عُلُوَّهٗ وَسَلَامٌ مِّمَّا يُضَادُّ غِنَاهُ وَكَمَالَهٗ سَلَامٌ مِّنْ كُلِّ مَا يَتَوَهَّمُ مُعَطِّلٌ أَوْ مُشَبِّهٌ وَّسَلَامٌ مِّنْ أَنْ يَّصِيرَ تَحْتَ شَيْءٍ أَوْ مَحْصُورًا فِي شَيْءٍ تَعَالَى اللّٰهُ رَبُّنَا عَنْ كُلِّ مَا يُضَادُّ كَمَالَهٗ وَغِنَاهُ وَسَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ سَلَامٌ مِّنْ كُلِّ مَا يَتَخَيَّلُهٗ مُشَبِّهٌ أَوْ يَتَقَوَّلُهٗ مُعَطِّلٌ وَّمُوَالَاتُهٗ لِأَوْلِيَائِهٖ سَلَامٌ مِّنْ أَنْ تَكُونَ عَنْ ذٰلِكَ كَمَا يُوَالِي الْمَخْلُوقُ الْمَخْلُوقَ، بَلْ هِيَ مُوَالَاةُ رَحْمَةٍ وَّخَيْرٍ وَّإِحْسَانٍ وَّبِرٍّ .

’’اللہ تعالیٰ کا مستوی ہونا اور اپنے عرش پر بلند ہونا اس سے پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اٹھانے والے کا محتاج ہو، یا جس چیز پر بلند ہے، اس کا محتاج ہو، بلکہ عرش اور حاملین عرش اس کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ عرش، حاملین عرش اور ہر غیر سے غنی ہے۔ یہ استوا اور علوا ایسا ہے، جس میں کوئی محصور چیز ملی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کو عرش یا کسی اور چیز کی حاجت نہیں اور نہ اسے کوئی چیز محیط ہے، بلکہ ایک وقت اللہ تعالیٰ تھا، لیکن عرش نہیں تھا اور نہ ہی اسے عرش کی حاجت تھی۔ وہ غنی اور بزرگ ہے۔ اس کا عرش پر مستوی ہونا اور اپنی مخلوق پر بلند ہونا اس کی بادشاہت اور قہر کے موجبات میں سے ہے، جسے کسی صورت بھی عرض (اہل کلام کی اصطلاح ہے، جس کا معنی ہے کہ جو کسی ذات کے ساتھ قائم ہو، بذات خود قائم نہ ہو۔از ناقل) وغیرہ کی ضرورت نہ ہو۔ اس کا ہر رات نزول اس کے علو، غنی اور کمال کے مخالف نہیں ہے۔ اسی طرح معطِّل اور مشبِّہہ کے جملہ اوہام سے بھی پاک ہے۔ اس سے بھی پاک ہے کہ باری تعالیٰ کسی چیز کے ماتحت ہو یا کسی چیز میں محصور ہو جائے۔ ہمارا رب ہر اس نقص سے پاک ہے، جس اس کے کمال، غنی، سمع اور بصر کے مخالف ہو۔ باری تعالیٰ مشبہہ کے خیالات اور معطلہ کے اختراعات سے پاک ہے۔ اس کا اپنے اولیا سے محبت وموالات مخلوق کے مخلوق کے ساتھ محبت کی طرح نہیں ہے، بل کہ یہ محبت رحمت، خیر، احسان اور نیکی کی وجہ سے ہے۔‘‘(بدائع الفوائد : 136/2)

صفت ید (اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ) کا اثبات اہل سنت اور جہمیہ کے مابین ایک معرکۃ الاراء مسئلہ رہا ہے، جبکہ مودودی صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

⑦ ’’اس کے ہاتھ میں اقتدار‘‘ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جسمانی ہاتھ

رکھتا ہے، بلکہ لفظ محاورہ کے طور پر ''قبضہ'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عربی کی طرح ہماری زبان میں بھی جب یہ کہتے ہیں کہ اختیارات فلاں کے ہاتھ میں ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہی سارے اختیارات کا مالک ہے، کسی دوسرے کا اس میں دخل نہیں ہے۔'' (تفہیم القرآن: 41/6)

نیز لکھتے ہیں:

''''دونوں ہاتھوں'' کے لفظ سے غالباً اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس نئی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق کے دو اہم پہلو پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسے جسم حیوانی عطا کیا گیا، جس کی بنا پر وہ حیوانات کی جنس میں سے ایک نوع ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے اندر وہ روح ڈال دی گئی، جس کی بنا پر وہ اپنی صفات میں تمام ارضی مخلوقات سے اشرف و افضل ہو گیا۔''

(تفہیم القرآن: 348/4)

علمائے اہل سنت اس کا رد کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے:

لَهٗ يَدٌ وَّوَجْهٌ وَّنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ، فَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ وَّلَا يُقَالُ : إِنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ أَوْ نِعْمَتُهٗ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ .

''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، چہرہ اور نفس ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر کیا ہے۔ چہرے، ہاتھ اور نفس میں سے جو رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کیا ہے، وہ اس کی صفات ہیں، جس کی نہ کیفیت بیان کی جا سکتی ہے اور نہ

ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے مراد قدرت یا نعمت ہے، کیوں کہ اس سے صفت کا بطلان لازم آتا ہے، جو کہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے، بلکہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کی کیفیت معلوم نہیں۔'' (الفقه الأكبر، ص 27)

❁ نیز کہتے ہیں:

لَا يُوصَفُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِصِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ، وَغَضَبُهٗ وَرِضَاهُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِهٖ بِلَا كَيْفٍ وَّهُوَ قَوْلُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُوَ يَغْضَبُ وَيَرْضٰى وَلَا يُقَالُ: غَضَبُهٗ عُقُوبَتُهٗ وَرِضَاهُ ثَوَابُهٗ وَنَصِفُهٗ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ أَحَدٌ صَمَدٌ لَّمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ حَيٌّ قَيُّومٌ قَادِرٌ سَمِيعٌ بَصِيرٌ عَالِمٌ، يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ لَيْسَتْ كَأَيْدِي خَلْقِهٖ وَلَيْسَتْ جَارِحَةً، وَّهُوَ خَالِقُ الْأَيْدِي وَوَجْهُهٗ لَيْسَ كَوُجُوهِ خَلْقِهٖ وَهُوَ خَالِقُ كُلِّ الْوُجُوهِ وَنَفْسُهٗ لَيْسَتْ كَنَفْسِ خَلْقِهٖ وَهُوَ خَالِقُ كُلِّ النُّفُوسِ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾.

''اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات سے متصف نہیں کیا جائے گا۔ غضب اور رضا دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، ان کی کیفیت بیان نہیں کی جائے گی، یہ اہل سنت کا منہج ہے۔ اللہ تعالیٰ غصے ہوتے ہیں اور راضی بھی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ کے غضب سے مراد اس کی عقوبت اور رضا سے مراد اس کا ثواب ہے۔ ہم اللہ کی وصف ایسے بیان کریں گے جیسے اللہ أَحَدٌ صَمَدٌ لَّمْ

يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ حَيٌّ قَيُّومٌ قَادِرٌ سَمِيعٌ بَصِيرٌ عَالِمٌ نے اپنا وصف بیان کیا ہے۔ ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ ''اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔'' اللہ کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں ہے اور نہ ہی کوئی عضو جسمانی ہے، وہ تو سب ہاتھوں کا خالق ہے۔ اسی طرح اس کا چہرہ مخلوق کے چہروں کی طرح نہیں ہے، وہ تو سب چہروں کا خالق ہے۔ اس کا نفس (ذات) مخلوق کے نفسوں کی طرح نہیں ہے، وہ تو سب نفسوں کا خالق ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ ''اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے اور وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''(الفقه الأكبر، ص 161)

❁ خطیب ابو بکر بغدادی رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْكَلَامُ فِي الصِّفَاتِ، فَإِنَّ مَا رُوِيَ مِنْهَا فِي السُّنَنِ الصِّحَاحِ، مَذْهَبُ السَّلَفِ إِثْبَاتُهَا وَإِجرَاؤُهَا عَلٰى ظَوَاهِرِهَا، وَنَفْيُ الْكَيْفِيَّةِ وَالتَّشْبِيهِ عَنْهَا، وَقَدْ نَفَاهَا قَوْمٌ، فَأَبْطَلُوا مَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ، وَحَقَّقَهَا قَوْمٌ مِّنَ الْمُثْبِتِينَ، فَخَرَجُوا فِي ذَالِكَ إِلٰى ضَرْبٍ مِّنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّكْيِيفِ، وَالْقَصْدُ إِنَّمَا هُوَ سُلُوْكُ الطَّرِيقَةِ الْمُتَوَسِّطَةِ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ، وَدِينُ اللّٰهِ تَعَالٰى بَيْنَ الغَالِي فِيْهِ وَالْمُقَصِّرُ عَنْهُ، وَالْأَصْلُ فِي هٰذَا أَنَّ الْكَلَامَ فِي الصِّفَاتِ فَرْعُ الْكَلَامِ فِي الذَّاتِ، وَيُحْتَذٰى فِي ذٰلِكَ حَذْوُهٗ وَمِثَالُهٗ، فَإِذَا كَانَ مَعْلُوْمًا أَنَّ

إِثْبَاتَ رَبِّ الْعَالِمِينَ إِنَّمَا هُوَ إِثْبَاتُ وُجُوْدٍ لَّا إِثْبَاتُ كَيْفِيَّةٍ، فَكَذَالِكَ إِثْبَاتُ صِفَاتِهِ إِنَّمَا هُوَ إِثْبَاتُ وُجُوْدٍ لَّا إِثْبَاتُ تَحْدِيدٍ وَّتَكْيِيفٍ . فَإِذَا قُلْنَا : لِلّٰهِ يَدٌ وَّسَمْعٌ وَّبصرٌ، فَإِنَّمَا هِيَ صِفَاتٌ أَثْبَتَهَا اللّٰهُ لِنَفْسِهِ، وَلَا نَقُوْلُ : إِنَّ مَعْنَى الْيَدِ الْقُدْرَةُ، وَلَا إِنَّ مَعْنَى السَّمْعِ وَالْبَصَرِ الْعِلْمُ، وَلَا نَقُوْلُ : إِنَّهَا جَوَارِحُ، وَلَا نُشَبِّهُهَا بِالْأَيْدِي وَالْأَسْمَاعِ وَالْأَبْصَارِ الَّتِي هِيَ جَوَارِحُ وَأَدَوَاتٌ لِّلْفِعْلِ، وَنَقُوْلُ : إِنَّمَا وَجَبَ إِثبَاتُهَا لِأَنَّ التَّوْقِيفَ وَرَدَ بِهَا، وَوَجَبَ نَفِيُ التَّشْبِيهِ عَنْهَا لِقَوْلِهِ : ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾(الشُّوْرٰى : ١١)، وَ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ﴾(الإخلَاص : ٣)

''جوصفات باری تعالیٰ صحیح احادیث میں مروی ہیں، سلف صالحین ان کا اثبات کرتے ہوئے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں اور کیفیت اور تشبیہ کی نفی کرتے ہیں۔ بعض گروہوں نے ان صفات کی نفی کرتے ہوئے اسے باطل کردیا ہے، جسے اللہ نے ثابت کیا تھا۔ بعض لوگوں نے اثبات تو کیا ہے، لیکن تشبیہ وتکییف کی گمراہیوں میں مبتلا ہوں گئے۔ جب کہ درست یہ ہے کہ دونوں گروہوں کا درمیانی راستہ اختیار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غلو اور تقصیر کے مابین ہے۔

دراصل صفات باری تعالیٰ میں گفتگو کرنا ذات باری تعالیٰ میں ہی گفتگو کرنا ہے۔ ان میں بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا، جو ذات باری تعالیٰ کے بارے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ تو بدیہی بات ہے کہ رب العالمین کا اثبات اس کی ذات کا اثبات ہے، نہ کہ اس کی کیفیت کا۔ اسی طرح صفات کا اثبات

وجود کا اثبات ہے، نہ کہ کیفیت اور تحدید کا۔ لہٰذا جب ہم کہیں گے کہ صفت ید، سمع اور بصر اللہ کے لیے ثابت ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ یہ صفات ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے۔ یہ نہیں کہیں گے کہ ید (ہاتھ) کا معنی قدرت ہے اور سمع و بصر کا معنی علم ہے، نہ ہی انہیں جوارح (جسمانی اعضا) قرار دیں گے اور نہ ہی انہیں ہاتھوں، کانوں اور آنکھوں، جو کہ جسمانی اعضا ہیں اور کام کرنے کے آلہ کار ہیں، کے ساتھ تشبیہ دیں گے، بلکہ ہم کہیں گے کہ ان کا اثبات واجب ہے، کیوں کہ یہ شریعت سے ثابت ہیں اور تشبیہ کی نفی کرنا بھی از حد ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾(الشّورٰی : ۱۱) ''اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں۔'' نیز فرمایا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ﴾(الإخلاص : ۳) ''اور اس کے ہم سر کوئی نہیں ہے۔''

(سير أعلام النّبلاء للذّهبي : 284/18، وسندہٗ صحیحٌ)

رب تعالیٰ کا آنا قرآن مجید میں ثابت ہے، یہ اس کی صفت ہے۔

⑧ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''اصل الفاظ ہیں: ﴿جَاءَ رَبُّكَ﴾ جن کا لفظی ترجمہ ہے: ''تیرا رب آئے گا۔''، لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔'' (تفہیم القرآن: 333/6)

یہ صراحتاً قرآنی الفاظ کا انکار ہے۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

مِمَّا يُوَضِّحُ لَكَ ذٰلِكَ أَنَّ النُّزُولَ وَالْمَجِيءَ وَالْإِتْيَانَ، وَالْاِسْتِوَاءَ، وَالصُّعُودَ وَالْاِرْتِفَاعَ كُلُّهَا أَنْوَاعُ أَفْعَالٍ، وَّهُوَ الْفَعَّالُ لِمَا

يُرِيدُ، وَأَفْعَالُهُ كَصِفَاتِهِ قَائِمَةٌ بِهِ، وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَعَّالًا وَّلَا مَوْصُوفًا بِصِفَاتِ كَمَالِهِ، فَنُزُولُهُ وَمَجِيئُهُ وَاسْتِوَاؤُهُ وَارْتِفَاعُهُ وَصُعُودُهُ وَنَحْوُ ذٰلِكَ، كُلُّهَا أَفْعَالٌ مِّنْ أَفْعَالِهِ، الَّتِي إِنْ كَانَتْ مَجَازًا فَأَفْعَالُهُ كُلُّهَا مَجَازٌ وَّلَا فِعْلَ لَهُ فِي الْحَقِيقَةِ، بَلْ هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْجَمَادَاتِ، وَهٰذَا حَقِيقَةُ مَنْ عَطَّلَ أَفْعَالَهُ، وَإِنْ كَانَ فَاعِلًا حَقِيقَةً فَأَفْعَالُهُ نَوْعَانِ : لَازِمَةٌ وَّمُتَعَدِّيَةٌ، كَمَا دَلَّتِ النُّصُوصُ الَّتِي هِيَ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ تُحْصَرَ عَلَى النَّوْعَيْنِ . وَبِإِثْبَاتِ أَفْعَالِهِ وَقِيَامِهَا بِهِ تَزُولُ عَنْكَ جَمِيعُ الْإِشْكَالَاتِ، وَتُصَدِّقُ النُّصُوصُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَتَعْلَمُ مُطَابَقَتَهَا لِلْعَقْلِ الصَّرِيحِ، وَإِنْ أَنْكَرْتَ حَقِيقَةَ الْأَفْعَالِ وَقِيَامَهَا بِهِ سُبْحَانَهُ اضْطَرَبَ عَلَيْكَ هٰذَا الْبَابُ أَعْظَمَ اضْطِرَابٍ، وَبَقِيتَ حَائِرًا فِي التَّوْفِيقِ بَيْنَ النُّصُوصِ وَبَيْنَ أُصُولِ النُّفَاةِ، وَهَيْهَاتَ لَكَ بِالتَّوْفِيقِ بَيْنَ النَّقِيضَيْنِ وَالْجَمْعِ بَيْنَ الضِّدَّيْنِ، يُوَضِّحُهُ : إِنَّ الْأَوْهَامَ الْبَاطِلَةَ وَالْعُقُولَ الْفَاسِدَةَ لَمَّا فَهِمَتْ مِنْ نُزُولِ الرَّبِّ وَمَجِيئِهِ، وَإِتْيَانِهِ وَهُبُوطِهِ وَدُنُوِّهِ مَا يُفْهَمُ مِنْ مَجِيءِ الْمَخْلُوقِ وَإِتْيَانِهِ وَهُبُوطِهِ وَدُنُوِّهِ وَهُوَ أَنْ يُفْرِغَ مَكَانًا وَّيَشْغَلَ مَكَانًا نَفَتْ حَقِيقَةَ ذٰلِكَ فَوَقَعَتْ فِي مَحْذُورَيْنِ : مَحْذُورِ التَّشْبِيهِ وَمَحْذُورِ التَّعْطِيلِ، وَلَوْ عَلِمَتْ هٰذِهِ الْعُقُولُ الضَّعِيفَةُ أَنَّ نُزُولَهُ

سُبْحَانَهُ وَمَجِيئَهُ وَإِتْيَانَهُ لَا يُشْبِهُ نُزُولَ الْمَخْلُوقِ وَإِتْيَانَهُ وَمَجِيئَهُ، كَمَا أَنَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَعِلْمَهُ وَحَيَاتَهُ كَذَالِكَ، بَلْ يَدُهُ الْكَرِيمَةُ وَوَجْهُهُ الْكَرِيمُ كَذٰلِكَ، وَإِذَا كَانَ نُزُولًا لَيْسَ كَمِثْلِهِ نُزُولٌ، فَكَيْفَ تُنْفٰى حَقِيقَتُهُ، فَإِنْ لَمْ تَنْفِ الْمُعَطِّلَةُ حَقِيقَةَ ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ بِالْكُلِّيَّةِ وَإِلَّا تَنَاقَضُوا، فَإِنَّهُمْ أَيُّ مَعْنًى أَثْبَتُوهُ لَزِمَهُمْ فِي نَفْيِهِ مَا أَلْزَمُوا بِهِ أَهْلَ السُّنَّةِ الْمُثْبِتِينَ لِلّٰهِ مَا أَثْبَتَ لِنَفْسِهِ، وَلَا يَجِدُونَ إِلَى الْفَرْقِ سَبِيلًا .

''اس سے واضح ہوا کہ صفاتِ نزول، مجیء، اتیان، استواء، صعود اور ارتفاع تمام 'صفات فعلیہ' ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کا ارادہ کرتا ہے، اسے بخوبی کر سکتا ہے۔ اس کی صفات فعلیہ صفات ذاتیہ ہی کی طرح ہے۔ اگر ایسے نہ ہوتا، تو وہ 'فعال' (ہر کام بخوبی کرنے والا) ہوتا، نہ ہی صفات کمال سے متصف ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ نزول، مجی، اتیان، استوا، صعود، ارتفاع اور دوسری صفات اس کے افعال میں سے افعال ہیں، کہ اگر یہ فعلی صفات مجازی ہیں، تو اس کے تمام افعال ہی مجاز ہوں گے اور حقیقت میں کوئی فعل بھی باقی نہیں رہے گا، بل کہ سب افعال جمادات کی طرح ہو جائیں گے۔ معطلہ کی یہی حقیقت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقی فاعل تسلیم کر لیا جائے، تو اس کے افعال کی دو قسمیں ہوں گی۔ ① لازمیہ ② متعدیہ۔ ان دونوں اقسام پر اَن گنت نصوص دلالت کرتی ہیں۔ صفات افعال کے اثبات اور انہیں ذات باری کے ساتھ قائم کرنے آپ کے تمام شکوک وشبہات کافور ہو جاتے ہیں۔ تمام نصوص ایک دوسرے کی

تصدیق کرتی ہیں اور آپ انہیں عقل صریح کے موافق ومطابق بھی سمجھنے لگیں گے۔اگر آپ نے ان صفات کا انکار کر دیا یا انہیں ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہ مانا، تو آپ اس مسئلہ میں شدید اضطراب کا شکار ہو جائیں گے اور نصوص اور منکرین صفات باری تعالیٰ میں موافقت تلاش کرتے ہی رہ جائیں گے۔دو نقیض اور ضدوں میں جمع وتوفیق کرنا ناممکن ہے۔

کچھ مزید وضاحت: جب باطل اوہام اور فاسد عقلیں رب تعالیٰ کے نزول، آنے، نیچے اترنے اور قریب ہونے سے وہ مفہوم مراد لیں گی، جو مخلوق کے نزول، آنے، نیچے اترنے اور قریب ہونے ،جس ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال لازم آتا ہے، سے مراد لیا جاتا ہے، تو ان صفات باری تعالیٰ کی حقیقت کی نفی کر بیٹھیں گی۔نیز دو گمراہیوں کا شکار ہو جائیں گی؛① تشبیہ ② تعطیل۔ اگر ان کمزور عقلوں کی سمجھ میں آجاتا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نزول اور آنا مخلوق کے نزول اور آنے کے مشابہ نہیں ہے، اسی طرح خالق کی سمع، بصر، علم اور حیات مخلوق کے مشابہ نہیں ہے، بل کہ اس کا ہاتھ اور چہرہ بھی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔اگر اللہ کا نزول مخلوق کے مشابہ نہ مانا جائے، تو اس کی حقیقت کی نفی نہیں ہوگی۔معطلہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی حقیقت کی کلیتًا نفی کر کے تناقض کا شکار ہو گئے ہیں، کیونکہ وہ جو معنی بھی ثابت کریں، ان پر صفات کی نفی کرنے میں وہی اعتراض وارد ہوتا ہے، جو وہ اہل سنت پر صفات باری تعالیٰ کے اثبات کرنے میں وارد ہوتا ہے اور انہیں اس فرق کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔'' (مختصر الصّواعق المرسلة، ص 450-451)

❁ نیز فرماتے ہیں:

هٰذَا النُّزُولُ إِلَى الْأَرْضِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَدْ تَوَاتَرَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ وَالْآثَارُ وَدَلَّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ صَرِيحًا .

''روز قیامت زمین کی طرف نزول الٰہی کی بابت احادیث اور آثار صحابہ متواتر ہیں، نیز قرآن بھی صراحت کے ساتھ دلالت کناں ہے۔''

(مختصر الصّواعق المرسلة، ص 466)

❀ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''پروردگار عز وجل کے نزول وغیرہ کے متعلق ایک مسلک متقدمین کا ہے کہ نزول سے حقیقت نزول مراد ہے، مگر کیفیت ہم نہیں جانتے۔ اسی طرح سمع، بصر، ید، استواء علی العرش کے متعلق متقدمین کا مسلک یہی ہے۔ متاخرین تاویل کر کے فرماتے ہیں کہ اس سے رضائے الٰہی، خوش نودی اور توجہ مراد ہے۔ عمدہ قول متقدمین کا ہی ہے۔'' (خزائن السنن، ص403)

بے شک عمدہ قول متقدمین کا ہی ہے، بعض متاخرین نے جو تاویل کی ہے، وہ سلف کے منہج سے انحراف اور تعطیل کی ایک قسم ہے۔ مولانا مودودی صاحب نسان کی روح کو صفات الہیہ کا عکس یا پرتو قرار دیتے ہیں، یہ وحدت الوجودی عقیدہ ہے۔

⑨ لکھتے ہیں:

''......اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر جو روح پھونکی گئی ہے، وہ دراصل صفات الٰہی کا ایک عکس یا پرتو ہے۔'' (تفہیم القرآن: ۵۰۲/۲)

انبیا علیہم السلام کی جناب میں سوئے ادبی

مولانا مودودی صاحب کا قلم انبیائے کرام کے احترام اور ادب کے تقاضوں سے یک سر نابلد ہے۔ انہوں نے بڑے بڑے انبیا کے متعلق عجیب طرح کی گفتگو کر رکھی ہے۔

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جب وعظ و تلقین کی ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی......۔''

(الجہاد فی الاسلام، ص174)

❁ انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق لکھتے ہیں:

''پیغمبروں تک کو نفس شریر کی راہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں، چنانچہ حضرت داود علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی ہے۔'' (تفہیمات، ص163)

❁ سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے، لیکن جوں ہی کہ اسے یہ احساس ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے احساس کرا دیا جاتا ہے کہ اس کا قدم معیار مطلوب سے نیچے جا رہا ہے، وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے میں اسے ایک لمحہ کے لیے تامل نہیں ہوتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اخلاقی رفعت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی جان جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ہے اور اس نظارہ سے کلیجہ منہ کو آ رہا ہے، لیکن

جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا، اس کو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے، محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے، تو فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں، جو اسلام کا مقتضا ہے۔'' (تفہیم القرآن:2/344)

❁ سیدنا داود علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ وہ تنبیہ ہے، جو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے اور بلندئ درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داود کو فرمائی، اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل اُن سے صادر ہوا تھا، اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اُس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا، جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا۔'' (تفہیم القرآن:4/327)

❁ نیز لکھتے ہیں:

''مگر اس کی اصلیت صرف اس قدر تھی کہ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔''

(تفہیمات:2/56)

❁ ذمی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ذِمی خواہ کیسے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے، اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا، حتی کہ جزیہ بند کر دینا، مسلمان کو قتل کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا یا کسی مسلمان عورت کی آبروریزی کرنا بھی اس کے حق میں ناقضِ ذمہ نہیں ہے۔''

(الجہاد فی الاسلام، ص289)

❀ عصمت انبیا کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہونے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں۔'' (تفہیمات:56/2)

تنبیہ:

انبیائے کرام علیہم السلام کی عزت اور عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی جناب میں ادنی سی سوئے ادبی سے بھی پرہیز کیا جائے، قلم کو ان دشوار گزار راہوں سے یوں بحفاظت نکالا جائے کہ نہ تو اصل واقعہ میں تبدیلی آئے اور نہ ہی انبیائے کرام جیسی پاک باز ہستیوں کی ذات پر جرأت و بے باکی لازم آئے۔

اس سلسلہ میں علمائے اہل سنت کا کردار ایک قائدانہ کردار ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کو ان کا کامل احترام بھی دیا، ان کی شان پیمبری کے شایان شان الفاظ سے یاد کیا، ہر نبی ہمارے لئے محترم ہے، جو شخص کسی ایک نبی کو بھی برا بھلا کہتا ہے، اس کے معاملہ میں سوئے ظنی کا شکار ہوتا ہے یا جان بوجھ کر ان کے احترام کے منافی الفاظ سے انہیں یاد کرتا ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے انبیائے کرام اور رسل عظام کے متعلق الفاظ کا چناؤ انتہائی محتاط ہونا چاہیے۔ اسی میں عافیت اور خیر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزامات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روئے زمین کی محترم ترین ہستیاں ہیں، جن پر اللہ رب العزت نے انعام کیا، وہ ان سے راضی ہوا، ان کے لئے جنت کے وعدے کئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احترام کا درس دیا، دوسری طرف مودودی صاحب روافض کی صف میں کھڑے ہوکر صحابہ کی ذات ہائے مبارکہ پر ایسے قبیح الزام لگاتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

۞ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''ان سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ پر بھی بشری کمزوری کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ بھی ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے، فرمانے لگے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جھوٹے ہیں، حضرت عائشہ نے ایک موقع پر انس رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ وہ حدیث رسول کو کیا جانیں، وہ تو اس زمانے میں بچے تھے، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ شاہد و مشہود کے معنی پوچھے گئے انہوں نے اس کی تفسیر بیان کی، عرض کیا گیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ تو ایسا اور ایسا کہتے ہیں، فرمایا: دونوں جھوٹے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ پر جھوٹ کا الزام لگا دیا، حالاں کہ وہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔'' (تفہیمات:1/296)

ان آثار کے احوال تو جو ہیں سو ہیں، لیکن لفظ ''کذب'' کا معنی ہمیشہ جھوٹ نہیں ہوتا، بلکہ اس کو خطا کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، تو ایک صحابی کی رائے کو دوسرا صحابہ کا خطا قرار دے دیتا ہے، یہ عام ہے۔ مودودی صاحب ان باتوں سے یہ باور کروا رہے ہیں کہ گویا صحابہ ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھتے تھے۔

❁ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس دریائے خون میں داخل ہونے کے لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور صحابہ کے ایک فریق کے دفاع میں دوسرے فریق کو کسی بھی طرح مجروح کرنا وہ طرز عمل ہے، جو انسان کو اہل سنت کے جادۂ اعتدال سے دور لے جاتا ہے۔'' (تبصرے، ص345)

جنگ احد کی شکست کا سبب:

❁ مولانا مودودی صاحب جنگ احد کے متعلق لکھتے ہیں:

''اُحد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان (صحابہ کرام) عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔'' (تفہیم القرآن:1/287)

❁ پھر سود کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سودخوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے، اس کے اندر سودخوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ سود لینے والوں میں حرص و طمع، بخل اور خودغرضی۔ اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بُغض وحسد۔ اُحد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔''

(تفہیم القرآن:288/1)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اقربا پروری کا الزام:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ راشد اور امیر المومنین ہیں۔آپ کے بے شمار فضائل ومناقب ہیں۔عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد ہیں۔ آپ کے دورِ خلافت پر امن وسکون کی چھاپ تھی۔اسلام کی سر بلندی اور فتوحات کا دور دورہ تھا۔عدل وانصاف کا علم بلند تھا۔

❁ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّ مَنْ يَّشْتُمُ عُثْمَانَ أَوْ طَلْحَةَ أَوْ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَجَّالٌ لَا يُكْتَبُ عَنْهُ وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ .

''جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابیٔ رسول کو سب وشتم کرے، وہ دجال ہے،اس سے حدیث نہ لکھی جائے۔اس پر اللہ کی،فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔''(تاريخ ابن مَعين برواية الدّوري : 2670)

مولانا مودودی صاحب نے مستشرقین اور روافض کے نوالے چبا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ہمہ قسم کے الزامات وارد کئے ہیں،مولانا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سرے سے خلافت کا اہل تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں، لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا، ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے، جو ان کے جلیل القدر پیش رووں کو عطا ہوئی تھیں۔اس لئے ان کے زمانہ خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا

موقع مل گیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے
کی کوشش کی، مگر وہ نہ رک سکا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے انہوں
نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی کوشش
کی، مگر ان کی جان کی قربانی بھی انقلاب معکوس کو نہ روک سکی، آخر کار خلافت
علی منہاج النبوہ کا دور ختم ہوگیا، ملک عضوض نے اس کی جگہ لے لی اور اس
طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہوگئی۔''

(تجدید واحیائے دین، ص28)

گویا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ردائے خلافت، جسے پہنے رکھنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور اسے اتارنے کا مطالبہ کرنے والوں کو منافقین قرار دیا تھا، مولانا مودودی اس عظیم خلافت کو نا اہل خلافت باور کرواتے ہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں کرتے، بلکہ مزید بہت سارے الزامات عائد کرتے ہیں۔

❁ لکھتے ہیں:

''جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے، تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے
چلے گئے، انہوں نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے
عطا کیے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں، جو عام طور پر لوگوں میں
ہدف اعتراض بن کر رہیں۔'' (خلافت وملوکیت، ص106)

اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ سوئے ظنی کا نتیجہ ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جسے بھی عہدہ پر فائز کیا، اس میں قابلیت کو مدنظر رکھا۔ اگر وہ اس عہدے کا اہل تھا، تو اسے عہدہ دے دیا، خواہ رشتہ دار تھا یا غیر۔ اصل بنیاد قابلیت تھی۔

۞ مودودی صاحب خود لکھتے ہیں:

''اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کے یہ مناصب دیے، انہوں نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔''

(خلافت وملوکیت، ص108)

اہل سنت میں سے کوئی بھی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ رائے نہیں رکھتا کہ انہوں نے اپنوں کو نوازا اور غیروں کو نظر انداز کیا۔ یا یہ کہا ہو کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنوں پر فیاضی کے حوالے سے غیر محتاط تھے۔

نیز خلیفہ کو اختیار ہوتا ہے کہ جسے چاہے کوئی منصب تفویض دے، یا کسی کو معزول کر دے۔ دوسروں کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔ خصوصاً خلیفہ راشد جس کی خلافت علی منہاج النبوت ہو، اس پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

اس پر سہاگہ یہ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اقربا پروری کے حوالے سے کسی صحابی یا تابعی نے اعتراض نہیں کیا۔

۞ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''جب ولید بن عقبہ کوفہ کی گورنری کا پروانہ لے کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، تو انہوں نے فرمایا: معلوم نہیں، ہمارے بعد تو زیادہ دانا ہو گیا ہے، یا ہم تیرے بعد احمق ہو گئے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ابواسحاق برافروختہ نہ ہو، یہ تو بادشاہی ہے، صبح کوئی اس کے مزے لوٹتا ہے، تو شام کوئی۔ اور حضرت سعد نے کہا: میں سمجھتا ہوں، واقعی تم لوگ اسے بادشاہی بنا کر چھوڑو

گے۔(الاستیعاب لابن عبدالبر:۱۵۵۴/۴،از ناقل)''

(خلافت وملوکیت،ص108)

یہ جھوٹی روایت ہے۔حکم بن عتیبہ سے نیچے سند معلوم نہیں۔حکم مدلس ہیں،سماع کی تصریح نہیں کی۔

۞ نیز لکھتے ہیں:

''قریب قریب ایسے ہی خیالات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی ظاہر فرمائے۔(الاستیعاب لابن عبدالبر:۱۵۵۴/۴،از ناقل)''

(خلافت وملوکیت،ص108)

جھوٹی روایت ہے۔محمد بن سیرین کا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ جعفر بن سلیمان سے نیچے سند معلوم نہیں ہوسکی۔

ان روایات کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط تاثر دینا قرینہ انصاف نہیں۔

۞ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے حکومت کے آخری چھ سالوں میں اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو حکومت کے عہدے دیے اور مروان کے لیے مصر کا خمس (یعنی افریقہ کے اموال غنیمت کا خمس، جو مصر کے صوبے کی طرف سے آیا تھا) لکھ دیا اور اپنے رشتہ داروں کو مالی عطیے دیے اور اس معاملہ میں یہ تاویل کی کہ وہ یہ صلہ رحمی ہے، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔انہوں نے بیت المال سے روپیہ بھی لیا اور قرض رقمیں بھی لیں اور کہا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے اس مال میں سے اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور میں نے اسے لے کر اپنے اقربا میں تقسیم کیا

ہے۔اسی چیز کو لوگوں نے ناپسند کیا ہے۔(طبقات ابن سعد:۳/۶۴)''
(خلافت وملوکیت،ص326)

جھوٹی روایت ہے۔

① محمد بن عمر واقدی ''متروک وکذاب'' ہے۔

② زہری مدلس ہیں،سماع کی تصریح نہیں کی۔

③ زہری نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔امام زہری ۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۵ھ میں ہوئی،بھلا وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کیسے خبر دے سکتے ہیں؟

✿ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُرْسَلُ الزُّهْرِيِّ لَيْسَ بِشَيْءٍ . ''زہری کی مرسل کچھ بھی نہیں۔''

(تاريخ ابن معين برواية الدوري : 1027)

✿ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَرَاسِيلُ الزُّهْرِيِّ رَدِيئَةٌ . ''زہری کی مراسیل ردی ہیں۔''

(السّنن الكبرىٰ : 10/107)

✿ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''افریقہ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے وہاں کے بطریق سے تین سو قنطار سونے پر مصالحت کی تھی۔ فَأَمَرَ بِهَا عُثْمَانُ لِآلِ الْحَكَمِ ''پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ رقم الحکم یعنی مروان بن حکم کے باپ کے خاندان کو عطا کر دینے کا حکم دیا۔''(تاریخ طبری:۳/۳۱۴)''(خلافت وملوکیت،ص327)

یہ واقدی کی گھڑنتل ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ محمد بن کعب سن ۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۵ھ کو ہوئی۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق خبر کیسے دے سکتے ہیں؟

❁ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود ایک موقع پر ایک مجلس میں جہاں حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم موجود تھے اور ان کے مالی عطایا پر اعتراضات زیر بحث تھے، اپنے طرزِ عمل کی یہ تشریح فرمائی:

''میرے دونوں پیش رو اپنی ذات اور اپنے رشتہ داروں کے معاملے میں سختی برتتے رہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رشتہ داروں کو مال دیا کرتے تھے، میں ایک ایسے خاندان سے ہوں، جس کے لوگ قلیل المعاش ہیں۔ اس وجہ سے میں نے اس خدمت کے بدلے میں، جو میں اس حکومت کی کر رہا ہوں، اس مال میں سے روپیہ لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسا کرنے کا حق ہے۔ اگر آپ لوگ اسے غلط سمجھتے ہیں، تو اس روپے کو واپس کرنے کا فیصلہ کر دیجئے۔ میں آپ کی بات مان لوں گا، سب لوگوں نے کہا: آپ نے یہ بات بہت ٹھیک فرمائی۔ پھر حاضرین نے کہا: آپ نے عبداللہ بن خالد بن اَسید اور مروان کو روپیہ دیا ہے، ان کا بیان تھا کہ یہ رقم مروان کو پندرہ ہزار کی اور ابن اَسید کو پچاس ہزار کی مقدار میں دی گئی ہے، چنانچہ یہ رقم دونوں سے بیت المال کو واپس دلوائی گئی اور لوگ راضی ہو کر مجلس سے اٹھے۔ (تاریخ طبری: ۴/ ۳۴۵)''

(خلافت وملوکیت، ص328)

روایت سخت ضعیف ہے، اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ بن عبید اللہ قرشی ''ضعیف ومنکر الحدیث'' راوی ہے۔ اسے احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، بخاری، فلاس، ابو حاتم، ابو زرعہ، نسائی، ترمذی، عجلی، ساجی، ابن حبان، محمد بن سعد، دارقطنی، ابن عدی اور عقیلی وغیرہم رحمہم اللہ نے ضعیف، منکر الحدیث اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

۞ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جن لوگوں کو میں نے عہدے دیے ہیں، انہیں آخر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی تو عہدوں پر مامور کیا تھا، پھر میرے ہی اوپر لوگ کیوں معترض ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: عمر جس کو جس جگہ کا حاکم مقرر کرتے تھے، اس کے متعلق اگر انہیں کوئی قابل اعتراض بات پہنچ جاتی تھی، تو وہ بری طرح اس کی خبر لے ڈالتے تھے، مگر آپ ایسا نہیں کرتے۔ آپ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نرمی برتتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ آپ کے بھی تو رشتہ دار ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: لَعَمْرِي إِنَّ رَحِمَهُمْ مِنِّي لَقَرِيبَةٌ، وَلٰكِنَّ الْفَضْلَ فِي غَيْرِهِمْ.'' بے شک میرا بھی ان سے قریبی رشتہ ہے، مگر دوسرے لوگ ان سے افضل ہیں۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر نہیں بنایا تھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: عمر رضی اللہ عنہ کا غلام یرفاء بھی ان سے اتنا نہ ڈرتا تھا، جتنے معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ڈرتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ آپ سے پوچھے بغیر جو چاہتے ہیں، کر گزرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا حکم

ہے۔مگر آپ انہیں کچھ نہیں کہتے۔(تاریخ طبری:۴/ ۳۳۸)''

(خلافت وملوکیت،ص331)

جھوٹی روایت ہے۔

① واقدی نے اسے گھڑا ہے۔

② عبداللہ بن مسلم بن عبید اللہ قرشی کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سماع ولقا نہیں۔

۞ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''مدینے میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہر طرف نکتہ چینیاں ہونے لگیں اور حالت یہ ہوگئی کہ چند صحابہ زید بن ثابت، ابو اُسید الساعدی، کعب بن مالک اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم کے سوا شہر میں کوئی صحابی ایسا نہ رہا، جو حضرت والا کی حمایت میں زبان کھولتا۔(تاریخ طبری:۴/ ۳۳۸)''

(خلافت وملوکیت،ص330)

جھوٹی روایت ہے۔

① واقدی نے اسے گھڑا ہے۔

② عبداللہ بن مسلم بن عبید اللہ قرشی کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سماع ولقا نہیں۔

لگتا ہے کہ یہ روافض کی گھڑی ہوئی کارستانیاں ہیں، جن کی بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اقربا پروری کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

۞ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرصورت غلط ہے، خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔اس کو خوامخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے

کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے، مگر واقع یہ ہے کہ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر جملہ پہلوؤں سے ان کا کردار بحیثیت خلیفہ ایک مثالی کردار تھا، جس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں، علاوہ ازیں ان کی خلافت میں بحیثیت مجموعی خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام ان کے عہد میں ہو رہا تھا کہ ان کی پالیسی کے اس خاص پہلو سے غیر مطمئن ہونے کے باوجود عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی ان کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں لانے کے لیے تیار نہ تھے۔'' (خلافت وملوکیت، ص116)

مودودی صاحب جس پالیسی کا ذکر کر رہے ہیں، اس کی حقیقت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ محض روافض کی ''وکالت'' ہے۔ جھوٹی روایات کی بنا پر ایک خلیفہ راشد کی شخصیت کو دبے لفظوں میں داغ دار کرنا ایمان کا نقصان ہے۔

تنبیہ: عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کی جاتا ہے کہ آپ نے حکم بن ابی العاص اور ان کے بیٹے مروان، جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلا وطن کر دیا تھا، انہیں اپنے دورِ خلافت میں مدینہ واپس بلا لیا تھا۔

یہ بے سند اور بے بنیاد واقعہ ہے۔ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص اور ان کے بیٹے مروان کو جلا وطن کیا اور نہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ واپس بلایا۔

یاد رہے کہ اسلامی تاریخ میں روافض کی صدیوں سالوں مداخلت رہی ہے۔ بہت ساری بے سند اور بے سروپا باتیں تاریخ کا حصہ بنا دی گئیں۔ جس کو رجال اور سند سے واسطہ نہیں، وہ آنکھیں بند کر کے تاریخی روایات پر اعتماد نہ کرے۔ جس نے ایسا کیا، وہ سبیل مومنین سے بھٹک گیا۔

مودودی صاحب تو دنیا سے چلے گئے، اب ان کے ساتھیوں کو چاہیے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنے رائے بدل لیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اقربا پروری جیسا سنگین الزام لگانے سے بچیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتہام:

❀ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے لکھا ہے:

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں برسرِ ممبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں ممبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ (الطبری، جلد۴، ص۱۸۸، ابن الاثیر، ج ۳، ص۲۳۴، ج ۴، ص۱۵۴، البدایہ، ج۸، ص۲۵۹، ج۹، ص۸۰) کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔'' (خلافت وملوکیت، ص174)

قارئین کرام! طبری کے محولہ صفحہ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ مودودی صاحب تو فوت ہو گئے، اب ان احباب سے اس کا حوالہ درکار ہے، جو ان کی جرأتوں کو سند جواز فراہم کرتے رہتے ہیں۔

جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے، تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ایک صحابی پر

بہتان ہے، شریعت تو درکنار انسانی اخلاق بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔

۞ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عمر بن عبد العزیز نے آ کر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا اور خطبہ جمعہ میں ''سب علی'' کی جگہ یہ پڑھنی شروع کر دی: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾''

(خلافت وملوکیت، ص174)

سوال یہ ہے کہ وہ کون سی غلط روایات تھیں، جنہیں عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے بدلا۔ کیا تحقیق اسی کا نام ہے کہ جھوٹے قصوں سے استدلال کیا جائے؟ ائمہ اہل سنت کے منہج سے انحراف، محدثین سے خود کو بے نیاز سمجھنا اور اصحاب پاک مصطفیٰ کے بارے میں بدعقیدگی کا درس پڑھانا ہی اگر تحقیق ہے، تو معاف کیجئے گا حضور! ہمارا ایمان اس تحقیق پر مطمئن نہیں۔

یوم حساب اگر حق ہے، تو ہم اپنے نامہ اعمال میں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص نہیں لکھوانا چاہتے، ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے نامہ اعمال میں لکھا ہو کہ یہ بندہ نعوذ باللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو منافق اور فاسق کہتا تھا۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

استلحاق معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقت:

۞ مودودی صاحب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیہ نامی کے پیٹ سے پیدا

ہوا تھا۔لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد انہی کے نطفہ سے ہے۔جوان ہوکر یہ شخص اعلیٰ درجے کا مدبر،منتظم،فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انہی کا ولد الحرام ہے۔پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے،مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا،کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود ہے کہ 'بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو،اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں'۔ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پردہ فرمایا۔''(خلافت وملوکیت،ص175)

استلحاق:

لُغَةً : مَصْدَرُ اسْتَلْحَقَ، يُقَالُ : اسْتَلْحَقَهُ ادَّعَاهُ .

''استلحاق استلحق یستلحق باب کا مصدر ہے،کہا جاتا ہے:اس نے اسے پکارا۔''

(لسان العرب، وتاج العروس، والصّحاح في مادة لحق)

اصْطِلَاحًا : هُوَ الْإِقْرَارُ بِالنَّسَبِ، وَالتَّعْبِيرُ بِلَفْظِ الْاِسْتِلْحَاقِ

هُوَ اسْتِعْمَال الْمَالِكِيَّةِ، وَالشَّافِعِيَّةِ، وَالْحَنَابِلَةِ، وَأَمَّا الْحَنَفِيَّةُ فَاسْتَعْمَلُوهُ فِي الْإِقْرَارِ بِالنَّسَبِ عَلٰى قِلَّةٍ .

''اصطلاح میں نسب کے اقرار کو استلحاق کہتے ہیں۔ استلحاق کی اصطلاح مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ استعمال کرتے ہیں۔ حنفیہ اس معنی میں بہت کم استعمال کرتے ہیں۔''

(حاشية البجيرمي على شرح المنهج : 91/3، فتح العزيز : 61/3، الشّرح الكبير مع حاشية الدّسوقي : 4121/3)

کسی بچے سے نسبی رشتے کا دعویٰ کرنا استلحاق کہلاتا ہے۔ استلحاق رشتہ دار بھی کر سکتے ہیں۔

استلحاق کی شرائط:

استلحاق کے جائز ہونے کی چند شرائط ہیں، جن کے بغیر اس کا اعتبار نہیں۔

① استلحاق مجہول النسب بچے سے ہوسکتا ہے، اگر اس بچے کا نسب کسی دوسرے شخص سے معروف ہو تو دعوی استلحاق درست نہیں۔ کیوں کہ آپ اس کا نسب توڑ کر اپنے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر لعنت کی ہے، جو اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور طرف منسوب ہو جائے۔

② آپ جس کے ساتھ استلحاق کر رہے ہیں، آپ کے نسب میں اور اس کے نسب میں ثبوت کا احتمال ہو، نہ تو اس بچے کا کوئی دوسرا دعویدار ہو اور نہ کوئی ایسی راہ ہو جس سے آپ کے اس کے ساتھ نسب کی تکذیب ہو سکے۔ مثلا: آپ کسی ایسے عارضے میں مبتلا نہ ہوں، جس کی وجہ سے اولاد کا ہونا ممکن نہیں رہتا۔ اسی طرح بچے اور آپ کی عمر میں اتنا تفاوت ہو کہ عقلا آپ کا اس سے استلحاق ممکن نہ ہو۔

٣ جس سے استلحاق کیا جا رہا ہے، وہ اس کی تصدیق کرے۔

٤ استلحاق میں بچے کا نسب بدلنا مقصود نہ ہو۔

یاد رہے کہ سچ معلوم ہو، تو استلحاق واجب ہے اور اگر جھوٹ ہو یا نسب کی نفی کی جائے، تو یہ حرام ہے، کیوں کہ اس میں کفران نعمت ہے۔

استلحاق معاویہ:

رہا مسئلہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے استلحاق کا، بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کو اپنے باپ ابوسفیان کی طرف منسوب کیا تھا، جب کہ وہ اس سے قبل زیاد بن عبید ثقفی نام سے مشہور تھا۔ یہ بات بالکل بے حقیقت ہے۔ اس سلسلہ میں جس روایت سے استدلال کیا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے۔

❀ ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

إِنَّ زِيَادًا لَّمَّا قَدِمَ الْكُوفَةَ، قَالَ: قَدْ جِئْتُكُمْ فِي أَمْرٍ مَّا طَلَبْتُهُ إِلَّا إِلَيْكُمْ، قَالُوا: ادْعُنَا إِلٰى مَا شِئْتَ، قَالَ: تُلْحِقُونَ نَسَبِي بِمُعَاوِيَةَ، قَالُوا: أَمَّا بِشَهَادَةِ الزُّورِ فَلَا، فَأَتَى الْبَصْرَةَ، فَشَهِدَ لَهُ رَجُلٌ.

''ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ زیاد کوفہ آ کر کہنے لگا: میں آپ سے ایک مطالبہ کرنا چاہتا ہوں۔ اہل کوفہ کہنے لگے: ہم حاضر ہیں، کیا چاہیے؟ کہنے لگا: تم میرا نسب معاویہ سے ملا دو۔ کہنے لگے: جھوٹی گواہی سے تو نہیں ملا سکتے، زیاد بصرہ آیا، تو ایک بندے نے گواہی دی۔'' (تاريخ الطّبري: 215/5)

❀ سند ضعیف ہے۔

① عمر بن بشیر ہمدانی ضعیف ہے۔ یحیٰی بن معین رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔

۞ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِقَوِيٍّ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ وَجَابِرٌ الْجُعْفِيُّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ .

''قوی نہیں ہے، حدیث لکھ لی جائے گی۔ اس سے تو جابر جعفی (کذاب) مجھے زیادہ محبوب ہے۔'' (الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 100/6)

یہ تضعیف نسبی ہے۔

② ابو اسحاق سبیعی رحمہ اللہ مختلط ہیں۔ عمر بن بشیر ہمدانی کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ یہ قبل از اختلاط روایت کرتا ہے یا بعد از اختلاط۔

۞ بالفرض روایت کو صحیح مان لیں، تب بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کا استلحاق مذکورہ شرائط سے صحیح ہے۔

① استلحاق معاویہ سے قبل زیاد کا نسب مجہول تھا، اس کی ماں کا نام سمیہ ہے، باپ کا نام معلوم نہ تھا۔ اسی لیے اسے زیاد بن ابیہ بھی کہا جاتا تھا۔ زیاد بن عبید ثقفی کہنا صحیح تو کجا کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں، لہٰذا (بشرطِ صحت روایت) معاویہ رضی اللہ عنہ زیاد کا اپنے والد ابوسفیان سے استلحاق صحیح ہے۔

② زیاد اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا نسب محتمل الثبوت ہے، کیوں کہ دونوں کی عمر میں وہ تناسب موجود ہے، جو ایک باپ بیٹے میں ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس عمر میں نہ خصی تھے اور نہ کوئی عارضہ لاحق تھا، نیز کوئی اور استلحاق کا مدعی بھی نہ تھا۔

③ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہہ دیا گیا کہ زیاد ان کا ولد زنی تھا، تو مستلحق لہ یعنی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اعتراف کی ضرورت نہیں۔

④ استلحاق معاویہ (بشرط صحت روایت) میں مقصود مستلحق زیاد کا نسب بدلنا مقصود نہیں ہے، کیوں کہ نہ تو اس سے قبل وہ معروف النسب ہے اور نہ کوئی اور مدعی ہے، نیز ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ولد زنی بھی کہا جاتا ہے۔

اولاً تو ایسا کچھ ثابت نہیں، لیکن اگر ثابت سمجھا جائے، تو بھی مذکورہ شرائط کی رو سے استلحاق معاویہ درست ہوگا۔ وللہ الحمد

❁ مولانا مودودی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔'' (خلافت وملوکیت، ص174)

❁ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے یہ دو کام ایسے سرزد ہوگئے، جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' (خلافت وملوکیت، ص144)

❁ سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہتے ہیں:

''یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی، بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں (سیدنا مغیرہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما) نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔'' (خلافت وملوکیت، ص150)

اصول محدثین سے انحراف

حدیث کی تصحیح وتضعیف ائمہ محدثین کا فن ہے اور اس میں انہیں کی تحقیقات پر اعتماد کیا جائے گا، یہی اہل سنت کا نظریہ ہے، یہ ممکن ہے کہ بسا اوقات سند صحیح ہو، لیکن متن منکر ہو، مگر اس کا فیصلہ صرف محدثین کریں گے۔ وہ کسی روایت کے متن کو منکر قرار دیں تو فبہا، لیکن جن روایات کو وہ اجماعی طور پر تسلیم کرتے آئے ہوں، ان کو منکر قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

کیوں کہ محدثین نے تدوین حدیث کا زمانہ پایا ہے، اس کے راویوں سے ملاقاتیں کی ہیں، ان سے روابط رکھے ہیں، ان کے احوال کی جانچ پرکھ کی ہے، پھر کسی فرد واحد کی تحقیق کو حتمی مانے بغیر ہر ایک شخص کو میزان میں تولا گیا ہے۔

اگر جھوٹا ہے، تو اس نے کون کون سے جھوٹ اور کہاں کہاں بولے، اگر سچا ہے، تو کیا حافظہ بھی مضبوط ہے؟ اگر راوی کا حافظہ بھی مضبوط ہے، تو کیا اس نے کوئی منکر روایات بھی بیان کی ہیں؟ کس راوی کی کتنی متابعت ہوئی ہے؟ کیا راوی عمر کے کسی حصے میں اختلاط کا شکار تو نہیں ہو گیا تھا؟ کیا راوی مدلس تو نہیں؟ اگر کسی پر تدلیس کا الزام ہے، تو کیا یہ الزام سچ ہے؟ اگر کسی پر کذب کی جرح ہوئی ہے، تو کیا جرح کرنے والے کا ذاتی تعصب تو نہیں تھا؟ راوی بدعتی ہے؟ کیا بدعتی ہونے کے باوجود وہ سچ بولتا ہے؟

مطلب کہ اس قدر باریک بینی کے ساتھ راویوں کے احوال جمع کئے گئے، احادیث پر عمل دیکھا گیا، فتاویٰ دیکھے گئے، راویان حدیث کے عمل پر غور کیا گیا، پھر کہیں جا کر احادیث کے احکام مدون ہوئے اور پوری امت میں ایک مسلمہ قانون کی حیثیت سے رائج

ہوئے، یہ کوئی رائی کے پہاڑ نہ تھے کہ جنہیں جو چاہے ہوا میں اڑا دے۔

جبکہ مولانا مودودی صاحب بار ہا محدثین کی اجماعی تحقیقات کو جھٹلا کر بس اس بنیاد پر احادیث کو ٹھکرا دیتے ہیں کہ وہ ان کی سمجھ سے بالا ہو گئی ہیں۔

❁ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔'' (تفہیم القرآن:167/3)

❁ اسی طرح لکھتے ہیں:

''اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے، مگر قرآن سے مطابقت اس کے ضعف کو دور کر دیتی ہے اور یہ دوسری روایات گو سنداً قوی تر ہیں، لیکن قرآن کے ظاہر بیان سے عدم مطابقت ان کو ضعیف کر دیتی ہے۔'' (تفہیم القرآن:200/3)

❁ مزید لکھتے ہیں:

''جہاں تک اسناد کا تعلق ہے، ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور رہا باعتبار روایت، اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا، لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی کریم ﷺ نے ہرگز نہ فرمائی ہوگی، جس طرح وہ نقل ہوئی ہے۔......ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے۔'' (تفہیم القرآن:337/4)

❁ مزید لکھتے ہیں:

''اتنی مختلف سندوں سے جو بات محدثین کو پہنچی ہو، اس کے متعلق یہ کہنا تو مشکل ہے کہ وہ بالکل ہی بے اصل ہوگی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو نبی ﷺ کے بیان کو سمجھنے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوئی غلطی ہوئی ہے، یا وہ پوری بات سن نہیں سکے ہوں گے۔'' (رسائل ومسائل، ص832-833)

❀ دجال والی حدیث کو مشکوک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مثلاً جو احادیث دجال کے متعلق وارد ہوئی ہیں، ان میں سے یہ بات حضور ﷺ کی اپنی ہی تصریحات سے معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو اس کے مقام، زمانے اور شخصیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نہیں دیا گیا تھا۔''

(رسائل ومسائل، ص375)

❀ داڑھی کے متعلق کہتے ہیں:

''ڈاڑھی کے متعلق شارع نے کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔''

(رسائل ومسائل، ص435)

❀ سنت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے، وہ سب سنت ہے، لیکن یہ بات ایک بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے......'' (رسائل ومسائل، ص440)

تفسیر بالرائے

تفسیر بالرائے اہل بدعت کا طریقہ ہے، اہل سنت قران کی تفسیر کے لئے قرآن، حدیث اور اقوال سلف سے کرتے ہیں، مولانا نے اس باب میں اہل بدعت کی راہ اختیار کی ہے۔

❀ لکھتے ہیں:

''اس جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ آدم کی پسلی سے ہوا کو پیدا کیا گیا۔ تلمود میں اور زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب کی تیرہویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا، لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے، اس کا مفہوم وہ نہیں ہے، جو لوگوں نے سمجھا ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے، جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت نہ ضائع کیا جائے۔'' (تفہیم القرآن: 1/319-320)

اس باب میں واردشدہ احادیث واضح ہیں۔ اہل سنت کے مشہور مفسر امام طبری اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ کا یہی معنی بیان کیا ہے کہ حواء علیہا السلام کو سیدنا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔

❀ علامہ فخر رازی رحمہ اللہ نے اس قول کو قوی قرار دے کر لکھا ہے:

هُوَالَّذِي عَلَيْهِ الْأَكْثَرُونَ .   ''اکثر مفسرین یہی کہتے ہیں۔''

(تفسير الرّازي : 477/9)

❁ اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ، سدی رحمہ اللہ (۱۲۷ھ) فرماتے ہیں:

خَلَقَهَا اللّٰهُ مَنْ ضِلَعِهٖ . ''اللہ نے حواء کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا۔''

(تفسير الطّبري : 341/6، وسندهٗ حسنٌ)

❁ نیز فرماتے ہیں:

خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا، جَعَلَ مِنْ آدَمَ حَوَّاءَ .

'''ان سے ان کی بیوی پیدا کی؛ اس کا معنی یہ ہے کہ حواء کو آدم سے پیدا کیا۔''

(تفسير الطّبري :342/1، وسندهٗ حسنٌ)

❁ ﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ﴾ کی تفسیر کرتے ہیں:

''ان ارشادات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت داود علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے گیت گاتے تھے، تو ان کی بلند اور سُریلی آواز سے پہاڑ گونج اُٹھتے تھے اور پرندے ٹھہر جاتے تھے اور ایک سماں بندھ جاتا تھا۔''

(تفہیم القرآن:175/3)

❁ ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لیکن اب اس کی تفصیل کرنا مشکل ہے، بس مجملا یوں سمجھنا چاہئے کہ پہاڑ کے دامن میں میثاق لیتے وقت ایسی خوفناک صورت حال پیدا کر دی گئی تھی کہ ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پہاڑ ان پر آن پڑے گا۔'' (تفہیم القرآن:82/1)

یہ قرآنی آیت کی واضح تحریف ہے، گویا مودودی صاحب کو لگا کہ شاید پہاڑ اوپر ہو جانا

کوئی اَن ہونی بات ہے، اس لئے اس کا معنی ہی بدل دیا جائے، لیکن شاید یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۞ فرمان باری تعالیٰ: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ اشارہ بنی اسرائیل کے واقعہ خروج کی طرف ہے۔...... یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں مصر سے نکلے تھے۔'' (تفہیم القرآن: 184/1)

کسی مفسر نے یہ بات ذکر نہیں کی۔ یہ مودودی صاحب کی اپنی اختراع ہے۔

۞ ''سات آسمانوں'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سات آسمانوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا تعین مشکل ہے۔ انسان ہر زمانے میں آسمان یا بالفاظ دیگر ماورائے زمین کے متعلق اپنے مشاہدات یا قیاسات کے مطابق مختلف تصورات قائم کرتا رہا ہے، جو برابر بدلتے رہے ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی تصور کو بنیاد قرار دے کر قرآن کے ان الفاظ کا مفہوم متعین کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بس مجملاً اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ زمین سے ماورا جس قدر کائنات ہے، اسے اللہ نے سات محکم طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے، یا یہ کہ زمین اس کائنات کے جس حلقہ میں واقع ہے، وہ سات طبقوں پر مشتمل ہے۔''
(تفہیم القرآن: 61/1)

آسمان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے، جو قرآن، متواتر احادیث اور عقل صحیح سے مسلم ہے۔ لیکن مودودی صاحب ''سات آسمانوں'' کی حقیقت میں تشکیک پیدا کر رہے ہیں۔ یہ ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔ معراج کی احادیث واضح طور پر دلالت کرتی

ہیں کہ مودودی صاحب کی یہ طبقاتی تقسیم بالکل باطل ہے۔

❀ مولانا تقی عثمانی صاحب نے بجا فرمایا ہے:

''تفہیم القرآن میں بہت سی باتیں جمہور کے مسلمات واقوال کے خلاف ہیں، اس لیے اسے بقول سائل بلا تنقید پڑھنا پڑھوانا درست نہیں ہے۔''

(فتاویٰ عثمانی، جلد1، ص214)

❀ مولانا احمد رضا بجنوری صاحب ''تفہیم القرآن'' کے بارے میں کہتے ہیں:

''جن جن مقامات پر وہ جمہور مفسرین اور اکابر امت سے الگ ہوکر اپنے تفردات رقم کر گئے ہیں، وہ ظاہر ہے کہ قابل قبول نہیں ہو سکتے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ میں نے انوار الباری میں کئی مواضع پر نقد کیا تھا۔ مزید نقد انوار الباری سے فارغ ہوکر ہو سکے گا، ان شاء اللہ۔ ہم نے تفہیم کی چھ جلدوں میں ایک سو مخدوش مقامات پر نشانات لگائے ہیں۔ ہمارے نزدیک تفسیر بالرائے سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اولا دوسری آیات اور پھر احادیث وآثار صحابہ وتابعین کی روشنی میں آیات قرآنی کا حل پیش کیا جائے اور دوسرے قرائن وواقعات کو ثانوی درجہ میں رکھا جائے۔ جن لوگوں نے اس کے برعکس طریقہ اپنایا ہے، وہ تفسیر بالرائے کی غلطی سے نہیں بچ سکے۔''

(ملفوظات علامہ سید انور شاہ، ص217-218)

مودودی صاحب کے متعلق علما کا نظریہ

❁ شیخ مقبل بن ہادی، وادعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اَلَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ بِهِ شَيْئًا مِّنَ التَّشَيُّعِ، وَهُوَ يُعْتَبَرُ مِنْ أَئِمَّةِ الْبِدَعِ، فَجَزَى اللّٰهُ بَعْضَ الْإِخْوَةِ خَيْرًا فَقَدْ أَلَّفَ كِتَابًا بِعُنْوَانِ «زَوَابِعُ فِي وَجْهِ السُّنَّةِ» وَبَيَّنَ حَالَ أَبِي الْأَعْلَى الْمَوْدُودِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أُولٰئِكَ الَّذِينَ يُهَاجِمُونَ سُنَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ وَتَضْعِيفَهُمْ أَحَادِيثَ صَحِيحَةً فِي «الصَّحِيحَيْنِ» مِنْ أَجْلِ الْأَهْوَاءِ.

''ظاہر ہے کہ مودودی میں کچھ تشیع پایا جاتا تھا، اسے ائمہ اہل بدعت میں شمار کیا جائے۔ اللہ ہمارے ایک بھائی کو جزائے خیر دے، انہوں نے ''زوابع فی وجہ السنۃ'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے، جس میں انہوں نے ابو الاعلیٰ مودودی وغیرہ کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے، جو سنت رسول پر حملہ آور ہوتے ہیں اور صحیحین کی احادیث کو محض اپنی خواہشات کی پیروی میں ضعیف قرار دیتے ہیں۔''

(فضائع ونصائح، ص 165، إجابة السّائل، ص 494)

❁ مولانا حسین احمد مدنی صاحب مودودی صاحب کے بارے میں کہتے ہیں:

''تکفیر نہیں کرتا، ضلال سمجھتا ہوں۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام، ج3، ص95)

❁ مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب کہتے ہیں:

''بندہ کی اس تحریر کے بعد مودودی صاحب نے کتاب ''خلافت وملوکیت''
لکھی ہے، جس میں بغض صحابہ رضی اللہ عنہم کے زہر کو اعلانیہ اُگل دیا ہے۔ اس کتاب
کو دیکھنے کے بعد بھی اگر کسی کو مودودی صاحب کے بغض صحابہ رضی اللہ عنہم پر یقین
نہیں آتا، تو یہ اس کی دلیل ہے کہ خود اس کے دل میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے
بغض اور عداوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب سے حضرات
صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت مٹانے اور اس مقدس جماعت سے متعلق دلوں میں
شکوک وشبہات اور بغض ونفرت پیدا کرنے کا جو کارنامہ تنہا مودودی صاحب
نے انجام دیا ہے، شیعہ کی پوری جماعت اپنی پوری مدۃ العمر میں اس کا عشر عشیر
بھی نہیں کرسکی۔ مودودی صاحب سے قبل کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نظر نہیں
آتا، جو کسی صحابی سے بغض رکھتا ہو، مگر آج مودودی صاحب نے مسلمانوں کی
ایک جماعت کو اس مہلک زہر سے مکمل طور پر پُر مسموم کر دیا ہے۔''

(احسن الفتاویٰ، ج1، ص210-211)

❁ مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''احقر کے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد
واحکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے تھے، خواہ ان کا اجتہاد جمہور علمائے
سلف کے خلاف ہو، حالاں کہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کے شرائط ان
میں موجود نہیں، اس بنیادی غلطی کی بنا پر ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں غلط
اور جمہور علمائے اہل سنت کے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی
تحریروں میں علمائے سلف یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار

کیا ہے، وہ انتہائی غلط ہے۔ خاص طور پر ''خلافت وملوکیت'' میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس طرح تنقید ہی نہیں بلکہ ملامت کا بھی ہدف بنایا گیا ہے اور اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے توجہ دلانے کے باوجود اصرار کی جو روش اختیار کی گئی ہے، وہ جمہور علمائے اہل سنت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔ نیز ان کے عام لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بہ کثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلف صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا۔''

(جواہر الفقہ، ج2، ص172/171)

تنبیہ:

❀ شیخ حماد انصاری رحمہ اللہ (۱۳۴۳ھ) فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میں اور میرے کچھ دوست مودودی صاحب سے ملنے گئے، اس وقت وہ ریاض کے ''بطحاء'' نامی ہوٹل میں مقیم تھے۔ عصر کا وقت تھا، ہم پہنچے، تو وہ نماز عصر ادا کر رہے تھے، میں بغور ان کی نماز کی طرف دیکھنے لگا۔ نماز کے بعد میں نے ان سے پوچھا: آپ کو نماز پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے، آپ نہ تو رفع الیدین کرتے ہیں اور نہ آپ کی نماز میں ٹھہراؤ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ کہنے لگے: میرا مذہب حنفی ہے۔''

(المَجموع في ترجمة الشّيخ حماد بن محمد الأنصاري لابن عبد الأوّل: 604/2)